حسنِ انتخاب

تفسیرِ قرآن سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

> درج ذیل سطور مولانا اخلاق حسین قاسمی کی تالیف 'محاسن موضح القرآن' سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب پر تبصرہ ماہ اگست ۸۲ء کے 'حکمتِ قرآن' میں شائع کیا گیا تھا۔ ان سطور میں فاضل مصنف نے مولانا مناظر احسن گیلانی کے حوالے سے تفسیر قرآن کے موضوع پر حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ کی تحقیق کو نقل کیا ہے۔ جسے قارئین 'حکمتِ قرآن' کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ -ادارہ

قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلہ میں روایات و آثار کا جو ذخیرہ متاخرین علما کے ہاتھوں میں پہنچا ہے اس کا زیادہ تر حصّہ غیر مستند ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم کی سب سے زیادہ معتبر اور صحیح تفسیر وہی ہوسکتی ہے جو آپؐ سے براہِ راست علم حاصل کرنے والے حضرات صحابہ کرام سے روایت کی گئی ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تفسیر قرآن کے لئے حدیث واثر کے نام سے ہر قسم کی جعلی اور موضوع باتوں کو تسلیم کرلیا جائے۔

علامہ سیوطی نے اتقان میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے

قال احمد ثلاثة كتب ليس لها اصل التفسير والملاحم والمغازى (ج ۲، ص۱۷۸)	تین کتابیں حدیث کی ایسی ہیں جن کی اصل نہیں تفسیری روایتں پیش گوئیوں اور غزوات سے متعلق واقعات و اقوال

پھر سیوطی نے اپنی رائے ان لفظوں میں دی ہے:

اصل المرفوع منه فی غایة القلة (ج ۲، ص۱۸۲)	ایسی روایات جو براہِ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ منقول ہوں تفسیر کے سلسلہ میں بہت کم ہیں۔

روایات کے بعد آثارِ صحابہؓ کا درجہ ہے اور ان میں خاص طور پر حضرت ابن عباسؓ کے اقوال زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے متعلق سیوطی محققین علماء کا فیصلہ نقل کرتے ہیں:۔

وھذہ التفاسیر الطوال التی اسندوھا الی ابن عباس غیر مرضیۃ و رواتھا مجاھیل (ص ۵۵۳)	یہ لمبی لمبی تفسیری روایتیں جو ابن عباس کی طرف منسوب ہیں سب غیر پسندیدہ ہیں سند کے لحاظ سے اور ان کے راوی مجہول اور نامعلوم اشخاص ہیں۔

امام شافعیؒ نے جب اقوال ابن عباسؓ پر تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے:۔

لم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر الاشبہ مائۃ حدیث (ص۵۵۹)	تقریباً سو روایتوں کے سوا حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب اقوال صحیح ثابت نہیں ہوسکے

اس مسئلہ کی وضاحت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب نے حضرت مولانا سید محمد انور صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"احادیث کے سب سے معتبر اور صحیح مجموعے بخاری شریف میں تفسیری روایات کا حصہ دوسری قسم کی احادیث کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور اس میں بھی امام بخاری رحؒ نے منقول روایات سے زیادہ قرآن کریم کی لغوی تشریح پر زیادہ توجہ دی ہے۔

اس تشریح کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شارح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام نے اس تشریح میں ابو عبید معمر ابن المثنیٰ کی کتاب "مجاز القرآن" پر زیادہ بھروسہ کیا ہے۔

اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ تھی کہ:

"لم یعرج الی النقد اصلاً"

امام بخاریؒ نے معمر کے اقوال تنقید کے بغیر اپنی کتاب میں نقل کر دیئے ہیں، اسی لئے ابن المثنیٰ کی کتاب میں جو نقص پائے جاتے ہیں وہ کوتاہیاں صحیح بخاری میں کتاب التفسیر میں باقی رہ گئی ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بخاری میں جو تفسیری اقوال پائے جاتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محض ان کے ناقل ہیں، یہ سمجھنا غلط ہے کہ امام بخاری رح کا فیصلہ بھی یہی ہے
(ص ۱۲۲، حیات انور بحوالہ فیض الباری)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ تھا کہ تفسیر قرآن کے بارے میں نہ یہ مسلک صحیح ہے کہ جب تک کسی آیت کی تفسیر کے لئے کوئی روایت نہ ہو وہ صحیح تفسیر نہیں اور نہ یہ آزادروی درست ہے کہ سلف صالحین کے مستند خیالات اور لغت عربی اور سیاق وسباق قرآنی سے بالکل بے نیاز ہو کر قرآن کریم کی من مانی تشریح کی جائے، بلکہ تفسیر کے صحیح طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحب رح فرماتے ہیں:

من حجر علی العلماء ان لایبرزوا	علماء کو اس بات سے کس نے روکا ہے
معانی الکتب بعد الامعان فی	کہ وہ کتاب الٰہی کے مطالب بیان کریں
السباق والنظر الی حقائق الالفاظ	اس طرح کہ ان کے سامنے سیاق وسباق
المراعیۃ لعقائد السلف	ہو، الفاظ قرآنی کے حقائق (لغوی معنی

اور مرادی مفہوم) ہوں اور ساتھ ہی سلف صالحین کے مسلّمہ تصورات وعقائد کی رعایت ملحوظ رہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب رح فرماتے ہیں۔

بل ذٰلک حظھم من الکتب فانھم	بلکہ کتاب الٰہی میں علماء کا درحقیقت
ھم الذین ینظرون فی عجائبہ	یہی حصہ ہے کہ وہ اس کتاب کے نئے
ویکشفون الاستار عن وجوہ دقائقہ	نئے پہلوؤں پر غور کرتے ہیں اور اس
ویزحون الحجب عن خبئات حقائقہ	کے پوشیدہ اسرار سے نقاب الٹتے ہیں
فھذا النوع من التفسیر بالرائ	جو باتیں چھپی ہوئی ہیں انہیں باہر لاتے
حظ اولی العلم ونصیب العلماء	ہیں۔ اگر یہی تفسیر بالرائے ہے تو اہل علم
المستنبطین	کا حقیقت میں یہی حصہ ہے اور کتاب

الٰہی سے مسائل کا استخراج کرنے والے علماء کی یہی غذا ہے۔

راقم نے تمہیدی طور پر یہ چند باتیں اس لئے بیان کی ہیں کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

★

حکمتِ اقبال (۱۴)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور تخلیق

تخلیقِ کائنات کا سبب

تخلیق کائنات کا باعث خودی کا مرکزی وصف محبت ہے جس کی طرف اقبال بار بار زوردار الفاظ میں توجہ دلاتا ہے۔ خودی ہمہ تن محبت ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک نصب العین حسن کے محبوب کی محبت کا جذبہ محسوس کرتی ہے۔ اس سے شدید محبت کرتی ہے اور ہر قسم کی ممکن رکاوٹوں اور مزاحمتوں کو راستہ سے ہٹاتے ہوئے اس کی سمت میں اپنے عمل کو جاری رکھتی ہے یہاں تک کہ اسے پالیتی ہے۔ نصب العین کی محبت کا یہ وصف جس طرح سے انسانی خودی میں موجود ہے اسی طرح سے کائناتی خودی میں بھی موجود ہے۔ اور دونوں صورتوں میں وہ خود بخود اپنا اظہار پاتا ہے۔ اقبال نے اپنے خطبات میں لکھا ہے:

> "حقیقتِ کائنات کوئی ایسی قوت حیات نہیں جو کسی نصب العین سے بے نیاز ہو۔ بلکہ اس کی فطرت سراسر نصب العین کی جستجو ہے۔"

انسان کا نصب العین خدا ہے اور خدا کا مطلوب انسان کی وہ حالت کمال ہے جو اس کے جسمانی کمال کے علاوہ جسے مدت ہوئی وہ حاصل کر چکا ہے دیگر جملہ کمالات یعنی علمی، اخلاقی، روحانی اور جمالیاتی کمالات کی آئینہ دار ہوگی اور جو تکمیلی درجے میں ہونے کی وجہ سے تمام تعارضات اور تضادات سے مبرا ایک وحدت ہوگی۔ کمال حسن کی اس حالت پر پہنچی ہوئی نوع انسانی کے لیے بطور ایک نصب العین کے خدا نے محبت کا احساس کیا لہٰذا جوش محبت سے اسے وجود میں لانے کا ارادہ کیا اور اسے لفظ "کن (ہوجا)" کہا تاکہ وہ وجود میں آئے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں ہے کہ خدا جب

کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ اس قولِ کُن کا نتیجہ یہ ہے کہ اب وہ بتدریج عالمِ وجود میں آ رہی ہے یعنی ایک ابتدائی حالت سے آغاز کر کے اپنی حالتِ کمال کی طرف آگے بڑھ رہی ہے۔ کائنات کی اس تدریجی ترقی کا مقصد انسان کی تکمیل ہے کیونکہ صرف انسان ہی خدا کے قولِ کُن کا مدعا اور مخاطب اور اس کے تخلیقی عمل کا نشان یا مقصود ہے۔

ضمیرِ کن فکاں غیر از تو کس نیست
نشانِ بے نشاں غیر از تو کس نیست

اِنسان خُدا کا محبُوب اور مقصُود ہے

جب خُدا کی محبت کائنات کی تخلیق اور تدریجی ترقی کی صورت میں اپنے مطلوب کی جستجو کرنے لگی تو اس کا نتیجہ انسان تھا۔ یہی سبب ہے کہ خدا کی محبّت کا جلوہ پُوری کائنات اور کائنات کی ہر چیز کی تدریجی ترقی اور تربیّت کی صورت میں اس کائنات کے مادّی پردہ کے پیچھے صاف طور پر نظر آ رہا ہے۔

عشق اندر جستجو افتاد و انسان حاصل است
جلوۂ اُو آشکار از پردۂ آب و گِل است

اپنی حالتِ کمال پر پہنچی ہوئی نوعِ انسانی خدا کا وہ محبوب ہے جو اس سے کھو گیا ہے اور اب خدا کائنات کے طویل ارتقائی عمل کے ذریعہ سے اس کی جستجو کر رہا ہے۔ خدا بھی ہماری طرح ایک آرزو رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسے پیکرِ خاکی کا دیدار کرے جس کا حُسن درجہ کمال پر ہو۔ اُس کے دیدار کے لیے اس نے یہ ہنگامۂ عالم برپا کیا ہے۔ رنگ و بُو کا یہ تماشا خانہ محبوب کے نظارہ کے لیے ایک بہانہ ہے ورنہ اس کا مدّعا اور کچھ نہیں:

ما از خدائے گم شدہ ایم او بجستجو ست
چوں ما نیاز مند و گرفتار آرزو ست
ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکئے
نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بو ست

کائنات خدا کی ایک آیت یا نشان ہے۔ لیکن آیت کا مطلب بہت دیر کے بعد کھلنے والا ہے کیونکہ اس کا مطلب وہ انسان ہے جو کائنات کے ایک طویل تدریجی ارتقا کے نتیجہ کے طور پر آئندہ اپنے کمال کو پہنچے گا۔ کائنات کی مادّی، حیاتیاتی اور نفسیاتی یا انسانی سطحوں پر خدا کی رنگا رنگ مخلوقات کے قافلے جو ارتقائے کائنات کے مقامات اور مدارج ہیں اسی انسان کی تخلیق اور تکمیل کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

آیۂ کائنات کا معنئ دیر یاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بُو

وقت کی رفتار یا گردش روزگار جو کائنات کے تدریجی ارتقا کو اپنے ساتھ لاتی ہے اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ انسان کی خودی اپنے کمال کو پہنچے اور پوری طرح سے آشکار ہو جائے:

یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

اقبال کو بجا طور پر اس بات کی شکایت ہے کہ ہمارے علماء دین جو اس بات کی طرف بار بار توجہ دلاتے رہتے ہیں کہ خدا انسان کا محبوب ہے اور انسان کو چاہیے کہ خدا کی عبادت اور اطاعت کرے، بہت کم اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ انسان بھی خدا کا محبوب ہے اور خدا انسان کے لیے وہ سب کچھ کر رہا ہے جو اُسے ایک محبوب کے لیے جسے وہ ترقی دے کر حُسن و کمال کی انتہا تک پہنچانا چاہتا ہے، کرنا چاہیے۔

یہ راز ہم سے چھُپایا ہے میر واعظ نے
کہ خود حرم ہے چراغِ حرم کا پروانہ

ظاہر ہے کہ یہاں حرم خدا ہے اور چراغ حرم اُمّت مسلمہ ہے (جو نوعِ انسانی کے لیے خدا کی روشن کی ہوئی ایک شمع ہے) استعارہ ہے۔

یہی سبب ہے کہ مسلمانوں میں اپنے مستقبل کے متعلق ایک گہری مایوسی پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ افسوس کہ خدا کا نور جن نگاہوں کے نظاروں کی تمنّا خود کر رہا تھا وہی نگاہیں خدا کے نور کے دیدار سے مایوس ہو گئی ہیں۔

خود تجلّی کو تمنّا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نا اُمیدِ نورِ ایمن ہو گئیں

عمل تخلیق ایک دُوسرے کے لیے خدا اور انسان کی جستجو ہے

چونکہ انسان کا محبوب خدا ہے اور خدا کا محبوب انسان ہے خدا اور انسان دونوں کائنات کے ارتقائی عمل کے ذریعے سے ایک دُوسرے کی جستجو کر رہے ہیں۔ جب انسان اپنی حالت کمال کو پہنچے گا تو اس وقت ایک طرف سے خدا انسان کو پائے گا اور دوسری طرف سے انسان خدا کو پائے گا۔

تلاش اُو کنی جز خود نہ یابی
تلاش خود کنی جز اُو نہ بینی

اس طرح سے جب خدا کو پانے سے انسان کی اپنی خودی کا مخفی حسن بے حجاب ہو گا تو یہی وقت ہو گا جب انسان کے لیے خدا کا حسن بھی پُوری طرح سے بے حجاب ہو گا۔ خدا کی نمود انسان کی نمود ہے اور انسان کی نمود خدا کی نمود ہے۔

نمود اس کی نمود تیری نمود تیری نمود اس کی
خدا کو تو بے حجاب کر دے خدا تجھے بے حجاب کر دے

خدا اور انسان دونوں کی ایک دوسرے کے لیے جستجو کا عمل ایک ہی ہے یہاں تک کہ یہ کہنا کہ اس عمل کے ذریعہ سے خدا انسان کی جستجو کر رہا ہے ایک ہی بات ہے۔

در خاکدانِ ما گہرِ زندگی گم است
ایں گوہرے کہ گم شدہ مائیم یا کہ اوست

ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات ہر لمحہ بدل کر ایک نئی حالت اختیار کرتی ہے۔

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ تازہ ہے شانِ وجود

تغیّرات کے اس غیر متناہی سلسلہ سے خود ثابت ہوتا ہے کہ کائنات ابھی نامکمل ہے